بلکہ ان کے عنوانات کا تنوع جامعہ کے دانش گاہ ہونے کا بھی غماز ہو۔ یونیورسٹی آف گجرات کا 'جامعہ نامہ' پڑھ کر حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ وطن عزیز کی جامعات میں سے کم از کم ایک جامعہ کی درس گاہیں نہایت مختصر مدت میں کسی دانش گاہ کی بنیاد رکھ رہی ہیں۔

''جامعہ نامہ'' کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یونی ورسٹی آف گجرات اور دیگر یونی ورسٹیوں کی اپروچ میں ایک بنیادی فرق ہے اور اس فرق کے پیچھے دو شخصیات کے وژن خلوص اور دیانت کا ہاتھ ہے: ایک پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین اور دوسرے شیخ عبدالرشید۔ ''جامعہ نامہ'' بنیادی طور پر شیخ عبدالرشید کے قلم سے نکلی ہوئی روداد ہے، لیکن یہ روداد لکھنے کی نوبت کبھی نہ آتی اگر ڈاکٹر محمد نظام الدین جیسا گوہر شناس، شیخ عبدالرشید کی گوناگوں صلاحیتوں کا ادراک نہ کر پاتا۔ اس لیے علم دوست ہونے کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ سب سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین کی علم پروری کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کریں جنہوں نے شیخ صاحب جیسے باصلاحیت فرد کو کام کرنے کا وسیع میدان اور موقع فراہم کر کے ایک نوخیز یونی ورسٹی کے درخشاں مستقبل کی بنیاد رکھی ہے۔

''جامعہ نامہ'' میں بکھری ہوئی روداد سماجیات و پاکستانیات اور زراعت و معیشت سے لے کر حالاتِ حاضرہ اور تصوف و تفہیم تاریخ اور تعلیم و تدریس جیسے اہم موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ ان تقریبات کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے شیخ عبدالرشید نے جملوں کی ساخت، تراکیب اور اقوالِ زریں کا برمحل استعمال کر کے قلم پر اپنی جاندار گرفت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ ہمارے ممدوح نے لگے بندھے مروجہ اصول رپورتاژ کی تقلید کے بجائے مجتہدانہ اسلوب اپنا کر انتہائی سنجیدہ مباحثوں و مذاکروں کو ایسے دل نشین ادبی پیرایے میں بیان کیا ہے کہ بہ زبان شاعر اعتراف کرنا پڑتا ہے:

''ایں سعادت بزورِ بازو نیست''

شعبہ باٹنی کے زیر اہتمام ''زراعت! پاکستان میں معیشت کی بہتری کی امید'' کے زیر عنوان منعقدہ ایک سیمینار کی روداد شیخ صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''زراعت و خوراک سے انسان کا تعلق ازل سے ابد تک محیط ہے۔ حیاتِ انسانی کا دارومدار کسان کی محنتِ شاقہ اور زرعی پیداوار میں کامیابی پر ہے۔ خوراک ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ بھوک ایک ایسا مرض ہے جس کا سوائے خوراک کے کوئی علاج نہیں۔ اسی سے زراعت، منصوبہ بندی اور کسان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ غور کیا جائے تو خوراک ہی زندگی ہے۔ اس کی پیداوار میں ناکام ہونا تاریک مستقبل اور فنا کا باعث بنتا ہے۔ چرچل نے دوسری جنگِ عظیم میں اپنی فتح کو خوراک کی مسلسل اور بے روک فراہمی سے مشروط کر دیا تھا کیونکہ اگر زراعت ناکام ہو جائے تو اس کا نتیجہ قحط ہوتا ہے۔''

مذکورہ اقتباس کا ذرا تنقیدی جائزہ لیجیے کہ ہمارے ممدوح نے کتنی خوبصورتی سے اپنی واقعیت پسندانہ فکر کو نہایت موزوں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے اور پھر چرچل کے قول کو تفکیری روپ دے کر فنکارانہ چابک دستی سے ایڈجسٹ کیا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ زراعت کی ناکامی کا نتیجہ 'قحط' قرار دے کر شیخ صاحب نے قحط کی سنگینی سے آگاہ کرنے کی

ضرورت محسوس نہیں کی کہ بعض اوقات ناگفتنی، گفتنی کی جگہ سنبھال لیتی ہے اور ان کہی، کہی کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

''جامعہ نامہ'' کے صفحہ ۱۳۸ پر اپنے ایک بصیرت افروز مضمون ''اچھے استاد کے نمایاں اوصاف'' کا اختتام شیخ صاحب ان جھنجھوڑنے والے الفاظ میں کرتے ہیں:

''استاد خود کو پیغمبروں کی میراثِ معلّمی کے وارث کہتے ہیں، لہٰذا انہیں معلم انسانیت وفخر انسانیت کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی کردار سازی کرنا ہے۔ پیغمبروں کے وارث ہونے کا دعوے دار استاد ہی اگر سیرتِ طیبہ کا پیروکار نہ رہا تو اس سے بڑا گستاخ رسول کون ہو سکتا ہے؟''

شیخ عبدالرشید کا تنقیدی شعور ان کی بالغ نظری کا آئینہ دار ہے اور اس میں لمحہ گزراں سے گریز کے بجائے تفہیم وتنقیح پر مبنی تخلیقی اپج پائی جاتی ہے جس کا اظہار موصوف نے ڈاکٹر محمد نظام الدین کے مقالہ ''عالمی امن کے فروغ میں اہل قلم کا کردار'' کا جائزہ لیتے ہوئے صفحہ ۱۴۳ پر کچھ اس طرح کیا ہے:

''آج کا عہد پریشاں نظری کا عہد ہے۔ پراگندگی کا فشار وجودِ حیات کو پھاڑ دینے کو ہے۔ ہر سمت آگ اور دھواں ہے، خون جل رہا ہے، نفرت وعناد کی بدبو پھیلی ہوئی ہے۔ سرفرازی وسربلندی صرف انہی کو حاصل ہے جو لاشوں پر کھڑے ہیں۔.... ایسے میں کھربوں ڈالرز کے ہیبت ناک اسلحے کی طاقت سے عالمی امن مسلط کیا جا رہا ہے، ایک ایسا امن جس کا تحفظ سٹار وار سسٹم کرے گا جو گلوبل مارکیٹ کو پروان چڑھائے گا جہاں ہر چیز بکے گی، کتاب بھی اور قلم بھی، ادب بھی اور نظریہ بھی۔ انسان وہی سوچے اور سمجھے گا جیسا اس سے چاہا جائے گا۔''

''جامعہ نامہ'' کے مزید کئی پہلوؤں پر بات ہو سکتی ہے، لیکن اس مختصر تبصرے میں چونکہ تنقیدی محاکمہ مقصود نہیں، اس لیے سطورِ بالا پر اکتفا کرتے ہوئے ہم یونی ورسٹی آف گجرات کے متعلقین، خاص طور پر وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ شیخ عبدالرشید کی زبان و بیان کی خوبیوں کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے یونی ورسٹی آف گجرات کی ایسی فکری وتصنیفی نیو رکھ دی گئی ہے جس پر کھڑی ہونے والی عمارت بلا مبالغہ بہت شاندار پرشکوہ اور نہایت عظیم ہوگی۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر میاں انعام الرحمٰن)

''انصاف کرو گے؟''

ترجمہ کرنا مشکل کام ہے اور کوئی مشکل پسند ہی ترجمانی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ ہر پس ماندہ قوم کی تاریخ میں ایسے مشکل پسند جنم لیتے رہے ہیں جو اپنی، ذہنی اعتبار سے پس ماندہ قوم تک ترقی یافتہ مہذب اقوام کے علوم وفنون کو ترجمہ کے ذریعے منتقل کرنے کا کٹھن فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اگر بات ایسی قوم کی ہو جس کے اپنے (معدودے چند) رجحان ساز رویے غیر ملکی زبان کے طلسم کا شکار ہوں تو ترجمانی کی ضرورت، ضرورت سے بڑھ کر فرض کفایہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ وطن عزیز میں زبان کے حوالے سے مقتدر طبقے کی مخصوص چال نے ایسے مخصوص چلن کو رواج